مرکز اہل السنت والجماعت سرگودھا کا ترجمان





جلد نمبر 4 | اگست 2015 | شمارہ 8

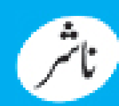
ہدایات برائے حجاج کرام

"فقہ حنفی" کی شورائیت پر ایک نظر

فقید المثال دورہ تحقیق المسائل

سیلاب متاثرین کی امداد

اخلاقی فریضہ



مرکز اھل السنۃ والجماعۃ
www.ahnafmedia.com

”فقہ حنفی“ کی شورائیت پر ایک نظر

مفتی امانت علی قاسمی حفظہ اللہ

اس وقت پوری دنیا میں عملی اعتبار سے ائمہ اربعہ کی فقہ رائج و متداول ہے، ان میں بھی عمومی قبولیت اور خصوصی امتیاز فقہ حنفی کو حاصل ہے؛ بلکہ اگر کہا جائے کہ اولیت و مرجعیت اسی فقہ کا مقدر رہے، تو غلط نہ ہو گا، فقہ حنفی نے ترقی کی جس اوج کمال کو دریافت کیا ہے اس کے اسباب و علل کا پتہ لگانا دشوار نہیں؛ اس فقہ کی ترقی و کمال کا راز سربستہ بظاہر اس فقہ کی جامعیت، احوال زمانہ سے ہم آہنگی، اصول و قواعد کی پختگی اور احادیث و آثار کا انضمام ہے۔

فقہ حنفی کی خصوصیت:

علامہ شبلی نعمانیؒ نے ”سیرۃ النعمان“ میں فقہ حنفی کی خصوصیت پر مفصل کلام کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: (۱) فقہ حنفی کے مسائل اسرار و مصالح پر مبنی ہوتے ہیں (۲) فقہ حنفی پر عمل بہ نسبت تمام فقہوں کے نہایت آسان ہے (۳) فقہ حنفی میں معاملات کے متعلق جو قاعدے ہیں نہایت وسیع اور متمدن ہیں (۴) فقہ حنفی نے ذمیوں کے حقوق (یعنی وہ لوگ جو مسلمان نہیں ہیں؛ لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں) نہایت فیاضی اور آزادی سے دیئے ہیں۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس کی نظیر کسی امام اور مجتہد کے یہاں نہیں ملتی (۵) فقہ حنفی نصوصِ شرعیہ کے موافق ہے، یعنی جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جن میں ائمہ کا اختلاف ہے ان میں امام ابو حنیفہؒ جو پہلو اختیار کرتے ہیں وہ عموماً قوی اور مدلل ہوتا ہے۔

(ص:۱۹۴)

شورائی نظام:

فقہ حنفی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ فقہ ایک شخص کی رائے پر مبنی نہیں ہے؛ بلکہ امام ابو حنیفہؒ نے جس جامع اور محیط طرز پر فقہ کی تدوین کا منصوبہ بنایا تھا، وہ انتہائی وسیع اور دشوار کام تھا، اس لیے آپ نے اتنے بڑے اور اہم ارادے کی تکمیل کے لیے اپنے شاگردوں میں سے چالیس جبال العلم محدثین وفقہاء، طریقِ تخریج کے ماہر اور علم عربیت ولغت کے رمز شناس افراد کا انتخاب کیا اور ایک مجلس شوریٰ تشکیل دی، جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو امام صاحب تمام اراکین شوریٰ سے استفسار کرتے، اگر تمام کی رائے کسی ایک امر پر متفق ہو جاتی تو امام ابویوسفؒ منقح انداز میں اصول کی کتابوں میں درج فرما دیتے، اور اگر رائے مختلف ہوتی تو آزادانہ طور پر بحث کا سلسلہ جاری رہتا، کبھی کبھی ایک ایک مسئلہ پر مہینوں بحث کا سلسلہ جاری رہتا، پھر جب روشن صبح کی طرح دلائل واضح ہو جاتے تو اس کو لکھ لیا جاتا؛ موفق بن احمد مکی "مناقب ابی حنیفہ" میں لکھتے ہیں:

"فکان یلقی مسئلة مسئلة وسمع ما عندھم ویقول ما عندہ ویناظرھم شھراً أو أکثر من ذلك حتی یستقر أحد الأقوال ثم یثبتھا أبو یوسف فی الأصول"

امام صاحب ایک ایک مسئلہ پیش کرتے اور ان کی رائے سنتے اور اپنا نظریہ بیان کرتے اور ایک ایک مہینہ؛ بلکہ ضرورت پڑتی تو اس سے بھی زیادہ عرصہ تک اس میں مناظرہ ومباحثہ کرتے رہتے، حتی کہ جب کسی ایک قول پر سب کے رائے جم جاتی تو امام ابویوسفؒ اصول میں درج کر دیتے۔ (مناقب موفق: ۲/ ۱۳۳)

اس کے بعد بھی اگر کسی کا اختلاف رہ جاتا تو ان کے اختلاف کے ساتھ بقید تحریر لایا جاتا اور اس امر کا اہتمام والتزام ہوتا کہ جب تک ایک مسئلہ حل نہ کر لیا جائے

التواء میں نہ ڈالا جائے؛ علامہ کردری کا بیان سنتے چلئے، فرماتے ہیں:

"اذا وقعت لهم مسئلةٌ يديرونها حتى يضيؤنها"

جب اس مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو اس کو آپس میں خوب گردش دیتے، یہاں تک کہ بالآخر اس کی تہ تک پہنچ کر اس کو روشن کر لیتے۔

(مناقب کردری:۲/۳)

امام صاحب محض اپنی ذاتی رائے کی تدوین پسند نہ کرتے، جب تک خوب اس پر اچھی طرح غور نہ فرما لیتے اور مجلس شوریٰ کے ذریعہ بھی اس کے ہر پہلو نمایاں نہ ہو جاتے، یہی وجہ ہے کہ کبھی امام ابویوسفؒ امام صاحب کی رائے بدون تنقیح و تحقیق لکھ دیتے تو امام صاحب ان کو متنبہ فرماتے:

"لا تكتب كل ما تسمع مني فاني قد أرى الرأي اليوم وأتركه غداً، وأرى الرأي غداً وأتركه في غده"

ہر وہ چیز جو مجھ سے سنتے ہو مت لکھ لیا کرو؛ کیوں کہ اگر میں آج کوئی رائے قائم کرتا ہوں تو کل اُسے چھوڑ دیتا ہوں اور کل کی رائے پرسوں ترک کر دیتا ہوں"

(نصب الرایہ:۳۱۰)

فقہی مسائل میں شوریٰ کی شرعی حیثیت:

اسلام میں شوریٰ کی افادیت واہمیت مسلم ہے، قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے انصار کے نظامِ شوریٰ کی تعریف وتوصیف بیان کرتے ہوئے فرمایا: "وأمرهم شورىٰ بينهم" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی تلقین فرمائی: "وشاورهم في الأمر" احادیث میں بھی شوریٰ کی حکمتیں اور فضیلتیں مذکور ہیں، اسی لیے حضراتِ صحابہ شورائی نظام پر عمل پیرا تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پردہ فرما جانے کے بعد سب سے پہلا مسئلہ "خلافت" کا صحابہ نے شوریٰ ہی کے ذریعہ حل کیا تھا، حضرت ابو بکرؓ اپنے زمانۂ خلافت میں شوریٰ کے ذریعہ ہی مسائل حل کیا کرتے تھے، بیہقی نے "السنن الکبری" میں میمون بن مہران کے حوالے سے نقل کیا ہے:

"حضرت ابو بکرؓ کے پاس جب بھی کوئی مقدمہ آتا اور کتاب وسنت میں اس کا حل ملتا تو اسی کے ذریعہ فیصلہ فرماتے تھے، اور اگر قرآن وسنت میں مسئلہ کا حل نہ معلوم ہوتا تو صحابہؓ کے پاس آتے اور صحابہ سے پوچھتے کہ میرے پاس ایسا مقدمہ آیا ہے، کیا تم میں سے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کے مقدمہ کا کوئی فیصلہ سنا ہے؟ بعض صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بیان کرتے تو حضرت ابو بکرؓ اس پر عمل کرتے اور اللہ کی تعریف کرتے کہ ہمارے درمیان ایسے لوگ ہیں جو اپنے نبی کے علم کے محافظ ہیں، لکن اگر حدیث سے بھی کوئی حل نہ ملتا، تو کبار صحابہ اور فقہاء صحابہ کو جمع کرتے ان سے مشورہ کرتے اور جب وہ لوگ کسی امر پر متفق ہو جاتے تو اسی کا فیصلہ فرمادیتے"

(السنن الکبری للبیہقی: ۱۰/ ۱۱۴-۱۱۵، المصباح:۱/۱۱۱)

حضرت عمرؓ نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں فقہی مسائل کے حل کے لیے ایک شوریٰ تشکیل دی تھی اور جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا تو مدینہ کے فقہاء صحابہ کو جمع کر کے تبادلہ خیال فرماتے اور اجتماعی طور پر کوئی فیصلہ فرماتے، علامہ ابن القیم نے بھی اپنی تصنیف اعلام الموقعین میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اس شورائی منہج کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ فقہی مسائل کے حل کے سلسلہ میں حضراتِ صحابہؓ میں زید بن ثابتؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا اور تابعین میں عمر

بن عبد العزیز، مروان بن الحکم، اور فقہاء سبعہ مدینہ کا بھی شورائی منہج تھا۔

(المصباح:۱/۱۱۵)

مجلس شوریٰ کی جامعیت:

حضرت حمادؒ کے انتقال کے بعد کوفہ کی مسند جب امام صاحب کے سپرد کی گئی تو باوجودیکہ امام صاحب علمِ حدیث کے امام اور فقہ کے استاذ الاساتذہ تھے، اجتہاد میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اوراس باب میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، پھر بھی اس وادی غیر ذی زرع اور لق ودق میدان میں تنہا طبع آزمائی کرنا مناسب خیال نہ کیا اور اپنے ممتاز تلامذہ کو بھی کارِ اجتہاد میں شریک کیا، اور اس طرح حضرت الامام نے حضراتِ شیخینؓ کی سنت کو زندہ کیا، اس نظام کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں مسائل کے حل کے لیے اجتماعی سعی کی جاتی ہے اور اجتماعی سعی انفرادی کوشش سے بہرحال افضل ہے، اگرچہ یہ طریقہ بھی معصوم عن الخطاء نہیں ہے؛ لیکن انفرادی کوشش کی بہ نسبت اس طریقۂ اجتہاد میں غلطی کا امکان کم ہے، اس پر مستزاد یہ کہ اجتماعیت میں جو قوت ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، اسی لیے جب امام المحدثین وکیع بن الجراح کے سامنے کہا گیا کہ: امام صاحب سے اس مسئلہ میں غلطی ہوئی ہے، تو انھوں نے کہا: امام ابو حنیفہؒ غلطی کیسے کرسکتے ہیں، جبکہ ان کے پاس ابویوسف اور زفر جیسے قیاس کے ماہر، یحییٰ بن ابوزائدہ، حفص بن غیاث، حبّان اور مندل جیسے حفاظِ حدیث اور قاسم بن معین اور امام محمد جیسے لغتِ عربیت کے جاننے والے، دواؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد و متقی حضرات ہیں اگر ابو حنیفہؒ غلطی کریں گے تو کیا یہ لوگ ان کی اصلاح نہ کریں گے؟

(اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص:۱۵۲)

وکیع کے اس بیان سے جہاں تدوین فقہ کی دستوری کمیٹی کے افراد کی علمی جلالتِ قدر سامنے آتی ہے اور بحث و تحقیق کا طریقِ کار معلوم ہوتا ہے، وہیں امام صاحبؒ کے ارکانِ شوریٰ کی جامعیت اور آپ کے رفقاء کے بلند مقام کا بھی اندازہ ہوجاتاہے۔

بحث ومباحثہ:

مجلس شوریٰ میں جب بھی کوئی مسئلہ پیش کیاجاتاتو تمام اراکین کھل کر بحث ونقد میں حصہ لیتے اور ہر ایک کو احادیث وآثار اور اجماع وقیاس کی روشنی میں آزادانہ نقد وتبصرہ کاموقع دیاجاتا، مجلس کاہر ہر فرد آزادی کے ساتھ اپنی دلیل امام صاحب کے سامنے پیش کرتا اور امام صاحب ہر ایک کی دلیل صبر وضبط سے سنتے رہتے، بسااوقات ان کی آواز بھی بلند ہوجاتی اور دورانِ بحث بعض اراکین خود امام صاحب سے جو صدر مجلس اور سب کے استاذ بھی ہوتے، اختلاف کر بیٹھتے اور یہاں تک کہہ دیتے کہ ”آپ کی فلاں دلیل غلط ہے“ بعض اجنبی لوگ امام صاحب سے کہتے کہ: آپ اتنی بے باکی سے بات کرنے والوں کو کیوں نہیں روکتے؟ تو امام صاحب فرماتے کہ: میں نے خود ان کو آزادی دی ہے اوران کو اس امر کا عادی بنایاہے کہ کسی سے مرعوب نہ ہوں اور یہ لوگ ہر ایک کے حتی کہ میرے دلائل پر نکتہ چینی کریں تاکہ صحیح بات بالکل منقح ہوکر سامنے آجائے۔

(معجم المصنّفین، ص:۱۷۴)

بعض مرتبہ بعض اراکین امام صاحب کے سامنے ایک دوسرے کی تردید کرتے تو امام صاحب جانبین کے دلائل سن کر واضح فیصلہ فرماتے، علامہ کردریؒ امام صاحب کے نبیرہ اسمٰعیل بن حماد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

”ایک مرتبہ امام ابویوسف رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے داہنے جانب بیٹھے تھے اور امامِ زفر بائیں جانب اور دونوں ایک مسئلہ میں بحث کرنے لگے، جب امام ابویوسفؒ کوئی دلیل پیش کرتے تو امامِ زفر اس کی تردید کر دیتے اور جب امام زفر کوئی دلیل پیش کرتے تو امام ابویوسفؒ اس کی تضعیف کر دیتے، یہ مباحثہ ظہر تک جاری رہا، جب ظہر کی اذان ہوئی تو امام ابوحنیفہؒ نے امامِ زفرؒ کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا: زفر ایسے شہر کی سرداری کی طمع نہ کر جس میں ابویوسف رہتے ہیں اور امام ابویوسف کے حق میں فیصلہ فرمایا“

(مناقب کردری:۲/۳۹۶)

فقہ تقدیری:

فقہ حنفی کی غیر معمولی شہرت ومقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امام صاحب کی شوریٰ میں صرف پیش آمدہ واقعات وحادثات پر بحث نہیں ہوتی تھی؛ بلکہ غیر پیش آمدہ واقعات کے حل کی جانب بھی خصوصی توجہ دی جاتی تھی؛ تاکہ جب واقعہ پیش آئے تو اس کا حل ممکن ہو اور عمل کرنا آسان ہو، امام صاحب نے شوریٰ کے توسط سے ایسے اصول مرتب کیے کہ ہر زمانے میں پیش آمدہ مسائل کا حل بآسانی دریافت کیا جاسکے، امام صاحب کے تقدیری مسائل سے شغف کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے جس کو خطبؒ نے نقل کیا ہے کہ:

”نضر بن محمد کہتے ہیں کہ ابو قتادہ کوفہ آئے اور ابوبردہ کے گھر قیام کیا، ایک دن باہر نکلے تو لوگوں کی بھیڑ ان کے گرد جمع ہوگئی، قتادہ نے قسم کھا کر کہا جو شخص بھی حلال وحرام کا مسئلہ دریافت کرے گا میں ضرور اس کا جواب دوں گا، امام ابوحنیفہ کھڑے ہوگئے اور فرمایا ابوالخطاب (ان کی کنیت ہے) آپ اس عورت کے متعلق کیا

فرماتے ہیں کہ جس کا شوہر چند سال سے غائب رہا، اس نے یہ یقین کر کے کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے دوسرا نکاح کر لیا، اس کے بعد پہلا شوہر بھی آ گیا، آپ اس کے مہر کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ اور جو بھیڑ ان کو گھیرے کھڑی تھی ان سے مخاطب ہو کر فرمایا اگر اس مسئلہ کے جواب میں یہ کوئی حدیث روایت کریں گے تو غلط روایت کریں گے اور اگر اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے تو وہ بھی غلط ہو گا، قتادہ بولے کیا خوب! کیا یہ واقعہ پیش آ چکا ہے، امام صاحب نے فرمایا نہیں، انہوں نے کہا پھر جو مسئلہ ابھی تک پیش نہیں آیا اس کا جواب مجھ سے کیوں دریافت کرتے ہو، امام صاحب نے فرمایا کہ ہم حادثہ پیش آنے سے قبل اس کے لیے تیاری کر لیتے ہیں تا کہ جب پیش آ جائے تو اس سے نجات کی راہ معلوم رہے، قتادہ ناراض ہو کر بولے خدا کی قسم میں حلال و حرام کا مسئلہ تم سے بیان نہیں کروں گا، ہاں کچھ تفسیر کے متعلق پوچھنا ہو تو پوچھو! اس پر امام صاحب نے ایک تفسیری سوال کیا قتادہ اس پر بھی لاجواب ہو گئے اور ناراض ہو کر اندر تشریف لے گئے۔

(تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۴۷)

اس واقعہ سے امام صاحب کی ذکاوت و ذہانت اور فقہ سے گہری وابستگی کے ساتھ تقدیری اور بعد میں پیش آنے والے مسائل کی طرف ان کے غایت انہماک و اہتمام کا پتہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

مجموعہ مسائل:

امام صاحب ۱۲۰ھ میں اپنے استاذ حضرت حماد کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور ۱۵۰ھ میں دار بقا کو چلے گئے، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ امام صاحب کا شورائی نظام تقریباً تیس سال پر محیط ہے، لیکن بعض حضرات کی رائے ہے کہ ۲۲ سال کی مدت

میں امام صاحب نے قانونِ اسلامی اور فقہ حنفی کو مدون کیا ہے، خیر یہ مدت تیس سال ہو یا بائیس سال، اس طویل المیعاد مدت میں اس شوریٰ نے کس قدر مسائل کا استنباط کیا، اس میں بھی علماء کے اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار ہے، شمس الائمہ کردریؒ لکھتے ہیں کہ یہ مسائل چھ لاکھ تھے، علامہ موفق بن احمد مکیؒ نے بھی چھ لاک کا قول نقل کیا ہے اور مزید لکھا ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں سے اس کی تائید ہوتی ہے؛ لیکن محققین کے رائے ہے کہ امام صاحب کی شوریٰ کے ذریعہ فیصل ہونے والا مجموعہ ۸۳ ہزار دفعات پر مشتمل تھا، جس میں ۳۸ ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے، باقی ۴۵ ہزار مسائل کا تعلق معاملات وعقوبات سے تھا، اورامام صاحب کوجب کوفہ سے بغداد جیل منتقل کیا گیاتب بھی تدوین فقہ کا سلسلہ جاری رہا اور امام محمدؒ کا تعلق امام ابوحنیفہؒ سے یہیں قائم ہوا اوراضافہ کے بعد اس دستوری خاکہ میں کل مسائل کی تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ گئی۔

(دفاع امام ابوحنیفہ، ص:۱۲۶، فتاویٰ رحیمیہ:۱/۱۳۶، سیرۃ النعمان، ص:۱۵۴)

ارکانِ شوریٰ:

امام اعظمؒ نے دستور اسلامی کی مجلس تدوین میں جن جن عظیم المرتبت اشخاص کا انتخاب کیا تھا، فقہ اسلامی کے ماہرین اورامام صاحب کے تذکرہ نگاروں نے ان کی تعداد چالیس بیان کی ہے، امام طحاویؒ نے اپنی مسند سے نقل کیاہے کہ امام صاحب کے چالیس ممتاز اور ماہر فن تلامذہ تدوین فقہ اور کارِ اجتہاد میں ان کے شریک ومعاون تھے، اگرچہ امام طحاویؒ نے چند ناموں پر اکتفاء کیاہے؛ لیکن بعض دیگر موٴرخین نے تمام اسماء کو شمار کرایاہے، جو حسب ذیل ہیں:

1. امام زفرم ۱۵۸ھ



2. امام مالکؒ بن مغول م ۱۵۹ھ

3. امام داؤد طائی م ۱۶۰ھ

4. امام مندل بن علی م ۱۶۸ھ

5. امام نضر بن عبد الکریم م ۱۶۹ھ

6. امام عمرو بن میمون م ۱۷۱ھ

7. امام حبان بن علی م ۱۷۳ھ

8. امام ابو عصمہ م ۱۷۳ھ

9. امام زُہیر بن معاویہ م ۱۷۳

10. امام قاسم بن معن م ۱۷۵ھ

11. امام حماد بن الامام الاعظم م ۱۷۶ھ

12. امام ہیاج بن بسطام م ۱۷۷ھ

13. امام شریک بن عبد اللہ م ۱۷۸

14. عافیہ بن یزید م ۱۸۰ھ

15. امام عبد اللہ بن مبارک م ۱۸۱ھ

16. امام ابو یوسف م ۱۸۲ھ

17. امام محمد بن نوح م ۱۸۲ھ

18. امام ہشیم بن بشیر السلمی م ۱۸۳ھ

19. ابو سعید یحیٰ بن زکریا م ۱۸۴ھ

20. امام فضیل بن عیاض م ۱۸۷ھ

21. امام اسد بن عمر م ۱۸۸ھ

22. امام محمد بن الحسن م ۱۸۹ھ

23. امام یوسف بن خالد م ۱۸۹ھ

24. امام علی بن مسہر م ۱۸۹ھ

25. امام عبداللہ بن ادریس م ۱۹۲ھ

26. امام فضل بن موسیٰ م ۱۹۲ھ

27. امام علی بن طبیان م ۱۹۲ھ

28. امام حفص بن غیاث م ۱۹۴ھ

29. وکیع بن جراح م ۱۹۷ھ

30. امام ہشام بن یوسف م ۱۹۷ھ

31. امام یحییٰ بن سعید القطان م ۱۹۸ھ

32. امام شعیب بن اسحاق م ۱۹۸ھ

33. امام حفص بن عبدالرحمن م ۱۹۹ھ

34. امام ابو مطیع بلخی م ۱۹۹ھ

35. امام خالد بن سلیمان م ۱۹۹ھ

36. امام عبدالحمید م ۲۰۳ھ

37. امام حسن بن زیاد م ۲۰۴ھ

38. امام ابوعاصم النبیل م ۲۱۲ھ

39. امام مکی بن ابراہیم م ۲۱۵ھ

40. امام حماد بن دلیل م ۲۱۵ھ

(الجواہر المضیئۃ:۱/ ۱۴، بحوالہ امام اعظم ابوحنیفہ، ص:۱۷۸)

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی ایک فقہ اکیڈمی تھی جس میں ان کے ممتاز تلامذہ ان کے معاون اور شریک کار تھے اور امام صاحب مجتہد فیہ مسائل کو اجتماعی طور پر حل کیا کرتے تھے، لیکن ان حضرات کے اسمائے گرامی اور سنین ولادت ووفات کا عمومی جائزہ لیا جائے تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ تمام تلامذہ اکیڈمی کے قیام کے وقت سے ہی ان کے شریک کار تھے، جیسے کہ امام محمدؒ کی سن پیدائش ۱۳۲ھ اور یحییٰ بن ابوزائدہ کی سن پیدائش ۱۲۰ھ ہے اور عبداللہ بن مبارک کی سن پیدائش ۱۱۸ھ ہے جبکہ امام صاحب کی شوریٰ ۱۲۰ھ یا ۱۲۸ھ سے قائم ہے، تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ یہ تلامذہ اسی وقت سے ان کی کمیٹی میں داخل ہوگئے تھے، اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام صاحبؒ نے وقتاً فوقتاً اپنے تلامذہ کو اپنے کارِ اجتہاد میں شریک کیا تھا، آپ کے بعض تلامذہ ایسے بھی تھے کہ جب آپ کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے تو آپ سے جدا ہونا حرماں نصیبی تصور کیا اور تا حیات آپ کے علمی سرچشمے سے تشنگی علم کو فرو کرتے رہے، یہی تلامذہ جو درحقیقت خود بھی اجتہاد کے درجے پر فائز تھے، آپ کی اکیڈمی کے رکن رکین تھے، انھیں خادمانِ فقہ حنفی نے تقریباً تیس سال کی مدت میں فقہ حنفی کی تدوین کا عظیم الشان اور لازوال کارنامہ انجام دیا ہے، جن کی مجموعی تعداد چالیس تک پہنچتی ہے، جزاہم اللہ خیر الجزاء.

امام صاحب کے مخصوص تلامذہ:

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ فقہ حنفی کی تدوین میں امام صاحب کے چالیس تلامذہ شریک تھے، لیکن ان میں بھی دس تلامذہ سابقین اولین میں سے تھے، جیسا کہ طحاویؒ نے اسد بن فرات سے نقل کیا ہے:

کان أصحاب أبي حنیفة الذین دونوا الکتب أربیعن رجلاً فکان فی

العشرة المتقدمين أبو يوسف، زفر بن هذيل وداوٗد الطائی وأسد بن عمر ویوسف بن خالد السمتی ویحیٰ بن زکریا بن ابی زائدۃ۔

(نصب الرایہ ص ۳۸)

امام صاحب کے تلامذہ جنہوں نے فقہ حنفی کو مدون کیا چالیس ہیں ان میں دس سابقین میں: ابویوسفؒ، زفر بن ہذیل، داؤد طائی، اسد بن عمر، یوسف بن خالد سمتی، یحییٰ بن زکریا بن ابوزائدہ ہیں۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ چالیس افراد کی دستوری کمیٹی کے علاوہ دس یا بارہ افراد پر مشتمل ایک دوسری خصوصی کمیٹی تھی، جو فیصلے کو آخری شکل دیتی تھی اور حتمی نتائج پر پہنچتی تھی، جیسا ضمیری نے امام زفرؒ کے متعلق لکھا ہے:

"ثم انتقل الی أبی حنیفة فکان أحد العشرة الأکابر الذین دونوا الکتب مع أبی حنیفة"

پھر امام ابوحنیفہؒ کے پاس آئے اورامام صاحب کے ان دس لوگوں کی خصوصی کمیٹی کے رکن بنے جنہوں نے فقہ حنفی کو مدون کیا۔ (اخبار ابی حنیفہ ص ۱۰۷)

اب ذیل میں انہیں سابقین فقہ حنفی میں سے بعض کے مختصر حالات قلم بند کیے جاتے ہیں:

امام ابویوسفؒ:

آپ کا اصل نام یعقوب بن ابراہیم ہے، کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲ھ میں وفات پائی، معاشی اعتبار سے بہت کمزور تھے، لیکن علم کا شغف بچپن ہی میں پیدا ہو گیا تھا، والد کی خواہش تھی کہ آپ کوئی کام کریں اور گھر کا انتظام کریں، لیکن امام صاحب کی صحبت فیض رسانے مالی اعتبار سے بھی بے نیاز کر دیا اور علمی دنیا میں قاضی القضاۃ

کے مقام تک پہنچادیا، خلیفہ مہدی نے ۱۶۶ھ میں قاضی کے عہدہ پر مامور کیا، مہدی کے بعد اس کے جانشیں ہادی نے بھی اسی عہدہ پر بحال رکھا، پھر خلیفہ ہارون رشید نے آپ کے لیاقت واہلیت سے واقف ہو کر تمام بلادِ اسلامیہ کا قاضی القضاۃ بنادیا، یہ وہ عہدہ تھاجو تاریخ اسلام میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا، آپ کے عہدہ قضاء پر فائز ہونے سے فقہ حنفی کو بڑا عروج حاصل ہوا، آپ فقہاء رائے میں اولین فقیہہ ہیں جنہوں نے اقوال کو احادیث نبویہ سے مؤید کیا، آپ اصحاب ابو حنیفہؒ میں سب سے بڑے حافظ حدیث کہلاتے تھے، امام ابویوسف نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں انھوں نے اپنے اور اپنے استاذ کے افکار و نظریات کو مدون کیا ہے، ابن الندیم نے ان تمام کتابوں کی فہرست دی ہے، ان میں کتاب الخراج، اختلاف ابن ابی لیلیٰ، الرد علی سیر الاوزاعی زیادہ مشہور ہیں۔

امام محمدؒ:

آپ کا نام محمد بن حسن اور کنیت ابو عبد اللہ ہے، آپ کی ولادت ۱۳۲ھ اور وفات ۱۸۹ھ میں ہوئی، امام صاحب کی وفات کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی، اس لیے زیادہ مدت تک امام صاحب سے استفادہ نہ کر سکے، اس لیے ان کا شمار فقہ حنفی کے اولین سابقین میں نہیں ہوتا، لیکن انہوں نے امام صاحب کے بعد امام ابویوسف سے فقہ حنفی کی تکمیل کر کے تدوین فقہ کی طرف خاص توجہ دی، اور حقیقت یہ ہے کہ فقہ حنفی کو متاخرین تک نقل کرنے کا سہرا امام محمدؒ کے سر جاتا ہے اور آج امام محمدؒ کی کتابیں ہی احناف کے لیے آنکھوں کا سرمہ ہیں، اور کوئی حنفی امام محمدؒ کی کتابوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ امام محمدؒ کو فقہ حنفی کا دوسرا بازو شمار کیا جاتا ہے، امام محمد کی کتابیں فقہ حنفی کا اولین مرجع شمار کی جاتی ہیں، امام محمدؒ کی کتابیں استناد کے اعتبار

سے دو درجوں میں منقسم ہیں:

قسم اول: کتب ظاہر الروایت ہیں جو مندرجہ ذیل کتب ہیں: (۱) جامع صغیر (۲) جامع کبیر (۳) سیر صغیر (۴) سیر کبیر (۵) مبسوط (٦) زیادات، ان کو "اصول" بھی کہا جاتا ہے، فقہ حنفی کا زیادہ تر اعتماد انہی کتابوں پر ہے۔

قسم ثانی: اس میں وہ کتابیں ہیں جو آپ کی طرف منسوب ہونے میں قسم اوّل کے برابر نہیں ہیں ان میں یہ کتابیں شامل ہیں: (۱) کیسانیات (۲) ہارونیات (۳) جرجانیات (۴) رقیات (۵) زیادات، مندرجہ بالا کتابوں کو غیر ظاہر الروایت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

امام زفرؒ:

امام صاحب کے دونوں ارشد تلامذہ امام ابویوسفؒ اورامام محمدؒ سے صحبت کے اعتبار سے مقدم تھے، فقہ حنفی میں ان کا درجہ امام ابویوسف کے ہم پلہ اور امام محمدؒ سے زیادہ شمار کیا جاتا ہے، امامِ زفرؒ کے مرتبہ کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جس کو ضمیری نے امام صاحب کے نبیرہ اسمٰعیل بن حماد کے حوالے سے نقل کیا ہے "کہ ایک دن امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میرے ۳۱ شاگرد ہیں ان میں ۲۸ قاضی بن سکتے ہیں اور چھ مفتی بن سکتے ہیں اور دو یعنی ابویوسف اور زفر دونوں گروہ کے استاذ اور مربی بن سکتے ہیں۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص ۱۵۲)

اس واقعہ میں امام صاحب نے امامِ زفر کو اپنے اراکین شوریٰ کا استاذ قرار دیا ہے، امامِ زفر قیاس واجتہاد میں اس درجہ ماہر تھے کہ قیاس ہی ان کی شان وپہچان بن گئی، تاریخ بغداد میں چاروں بزرگوں کا تقابل کرتے ہوئے لکھا ہے:

ایک شخص امام مزنی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اہل عراق کے بارے میں

دریافت کرتے ہوئے امام مزنی سے کہا کہ ابو حنیفہؒ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ مزنی نے کہا اہل عراق کے سردار ہیں، اس نے پھر پوچھا: ابو یوسف کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ مزنی بولے وہ سب سے زیادہ حدیث کا اتباع کرنے والے ہیں، اسی شخص نے بھر کہا امام محمد کے بارے میں کیا فرماتے ہیں مزنی فرمانے لگے وہ تفریعات میں سب سے فائق ہیں، وہ بولا اچھا تو زفرؒ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ امام مزنی نے کہا وہ قیاس میں سب سے ماہر ہیں۔"

(حیاتِ امامِ ابو حنیفہ: ص۳۰۲)

امام ابو حنیفہؒ کے بعد امامِ زفر آپ کے حلقہ درس کی جانشیں ہوئے، ان کے بعد مسند تدریس امام ابو یوسف کے حصہ میں آئی، بصرہ کا عہدہ قضا بھی ان کو ملا، لیکن فقہ حنفی میں ان کی کوئی تصنیف نہیں، اس لیے عموماً امام محمدؒ کے بعد ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

قاسم بن معنؒ:

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے خاندان سے ہیں، فقہ پر کافی عبور حاصل تھا اور عربیت وادب میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، امام محمدؒ نے اپنی کتابوں میں ان کے نام اور کنیت دونوں سے روایت کیا ہے، قاضی شریک بن عبد اللہ کے بعد کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص۱۵۰)

علم حدیث میں بھی اونچا مقام حاصل تھا، صحاحِ ستہ کے مصنّفین نے ان سے روایت کی ہیں۔ امامِ ابو حنیفہؒ کو ان سے خاص محبت تھی، یہ بھی منجملہ ان لوگوں کے ہیں جن کی نسبت امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "تم لوگ میرے دل کی تسلی اور میرے غم کو مٹانے والے ہو" ان کو بھی امام صاحب کے ساتھ نہایت خصوص تھا،

ایک شخص نے پوچھا کہ آپ فقہ و عربیت دونوں کے امام ہیں ان دونوں علموں میں وسیع کون علم ہے؟ فرمایا کہ واللہ ابوحنیفہؒ کی ایک تحریر کل فن عربیت پر بھاری ہے، ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔

(سیرۃ النعمان، ص:۲۳۰)

عافیہ بن یزید:

فن حدیث میں بلند مقام پر فائز تھے، امام نسائی اور ابوداؤد وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، بغداد کے قاضی تھے، خطیب نے لکھا ہے کہ عافیہ عالم وزاہد تھے، ایک مدت تک قاضی رہے پھر قضاء سے مستعفی ہوگئے۔ (سیر اعلام النبلاء ۷/۳۹۸) امام صاحب کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے اور آپ کے شورائی کمیٹی کے اہم رکن تھے؛ امام صاحب ان کا بہت خیال کرتے؛ بلکہ ان کی رائے کے بغیر کچھ بھی دستوری کتاب میں تحریر نہ کیا جاتا تھا، ضمیری نے اسحاق بن ابراہیم کے حوالے سے نقل کیا ہے:

"ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کسی مسئلہ میں غور وخوض کرتے اور اس وقت عافیہ نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے اس کو ابھی مت لکھو اور جب عافیہ آتے اور سب کے رائے سے اتفاق کرتے تو امام صاحب فرماتے اس کو لکھو اور اگر وہ اتفاق نہ کرتے تو امام صاحب فرماتے اس کو مت لکھو۔" (اخبار ابوحنیفۃ واصحابہ، ص۱۴۹)

یحیٰ بن زکریا بن ابوزائدہ:

علامہ شبلی نعمانیؒ نے سیرۃ النعمان میں امام طحاویؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ "امام صاحب کی شوریٰ میں لکھنے کی خدمت یحیٰ سے متعلق تھی اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے، آگے علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں کہ یہ مدت صحیح نہیں؛ لیکن کچھ شبہ نہیں کہ وہ بہت دنوں تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام

کرتے رہے اور خاص کر تصنیف و تحریر کی خدمت انہی سے متعلق رہی۔“

(سیرۃ النعمان، ص۲۱۶)

ضمیری نے صالح بن سہیلؒ کا قول نقل کیا ہے کہ:

”یحییٰ بن زکریاؒ اپنے زمانے کے سب سے بڑے حافظ حدیث اور فقیہ تھے اور امام ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ کی مجلسوں میں کثرت سے شریک ہوتے تھے۔“

(اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص:۱۵۰)

یہ امامؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے اور ایک مدت تک آپ کے ساتھ رہے تھے، یہاں تک کہ علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو ”صاحب ابی حنیفہؒ“ کا لقب دیا ہے، تہذیب التہذیب میں ابن عیینہؒ کا قول ہے:

ہمارے پاس ابن مبارک اور یحییٰ بن ابی زائدہ جیسے اہل علم نہیں آئے۔“

(تہذیب التہذیب ۷/۳۷)

ابن ابی حاتمؒ سے منقول ہے کہ کوفہ میں سب سے پہلے یحیٰ بن ابو زائدہؒ نے کتاب لکھی اور عجلی کہتے ہیں کہ یحییٰ مدائن کے قاضی تھے اور کوفہ کے حفاظِ محدثین میں اُن کا شمار ہوتا تھا، وکیع نے اپنی کتابوں کو یحییٰ بن ابی زائدہ کی کتاب کی ترتیب پر مرتب کیا؛ ۱۸۲ھ یا ۱۸۳ھ میں مدائن میں ان کا انتقال ہوا۔

(تہذیب التہذیب ۷/۳۸)

یوسف بن خالد سمتی:

آپ امام صاحب کی شوریٰ کے رکن تھے اور طویل مدت تک امام صاحب کی صحبت میں رہ کر آپ کے خرمن فیض سے خوشہ چینی کرتے رہے، یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے بصرہ میں امام صاحب کی فقہ کو رائج کیا، ہارون رشیدؒ نے قاضی القضاۃ کا

عہدہ تفویض کیا تھا، اخیر عمر میں زہد وتقشف کی زندگی بسر کی، قیاس میں بہت ماہر تھے؛ لیکن علم حدیث میں کوئی نمایاں مقام نہ تھا۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص ۱۵۰)

داؤد طائیؒ:

امام ابو حنیفہؒ کے مشہور شاگرد ہیں اور تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک اور مجلس کے معزز ممبر تھے، علامہ شمس الدین ذہبیؒ نے "سیر اعلام النبلاء" ۷/ ۴۲۲ میں "الامام الفقیہ القدوۃ الزاہد" سے ان کو یاد کیا ہے، فقہ واجتہاد کے امام تھے، امام محمدؒ نے بھی ان سے استفادہ کیا ہے، خاموش مزاج اور بہت کم گو تھے، "امام محمدؒ کہتے ہیں: میں داؤد سے اکثر مسئلے پوچھنے جاتا اگر کوئی ضروری اور علمی مسئلہ ہوتا تو بتادیتے ورنہ کہتے بھائی مجھے اور ضروری کام ہیں۔"

اخیر عمر میں زہد وقناعت اور دنیا سے بے رغبتی کو ترجیح دی، علامہ ضمیریؒ ان کے زہد وتقشف کے واقعات ذکر کرتے ہوئے عمرو بن ذرؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

"اگر داؤد الطائی صحابہ میں ہوتے تو ان میں نمایاں ہوتے" محارب بن دثار کہتے ہیں کہ "اگر داؤد الطائی پچھلی امتوں میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ قرآن میں ان کا قصہ بیان کرتا" عبد اللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: "جب داؤد الطائی قرآن پڑھتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جواب سن رہے ہیں" محمد بن سوید الطائی کہتے ہیں کہ ان کی بزرگی اور فضل وکمال کا یہ عالم تھا کہ جب انھوں نے امامِ ابو حنیفہؒ کے حلقۂ درس کو ترک کیا تو خود امام صاحب اکثر ان کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ ۱۶۲ھ میں انتقال ہوا۔

(اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص: ۱۱۳ و ۱۱۶)